امت کی سیاسی منزل ـــــ ملّت کا قیام

ـــــ پروفیسر حافظ محمد سعید

پندرھویں صدی ہجری امت مسلمہ کے سامنے فکر و عمل کی ایک دعوت پیش کر رہی ہے۔ آج امت کے ہر فرد کو اپنے نصب العین مقاصد اور فرائض کا شعور اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ اپنی منزل کا تعین کر کے اس تک پہنچنے کے لیے تمام کوششیں صرف کر دینا ہے اور نتیجتاً دنیا کے سیاسی اور فکری افق پر اسلام کو غالب نظام کے طور پر پیش کرنا ہے۔ موجودہ حالات اسی کا تقاضا کرتے ہیں اور امت کی بقا اور عروج کا انحصار اسی بات پر ہے۔

اسلام زمان و مکان کی تمام بندشوں سے بالا ایک دین ہے۔ جو بنی نوع انسان کے سامنے امن و سلامتی کی دعوت پیش کرتا ہے اور ترقی و خوشحالی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام کے اندر وہ فطری اور استدلالی قوت ہے کہ جب بھی اس کے اپنے رنگ میں کوششیں کی گئیں یہ غالب نظام کے طور پر ابھرا۔ دنیا کے ہر نظام اور قوت پر غالب آنا اس کی نیچر ہے کیونکہ حق کی شان ہی یہ ہے کہ الحق یعلو ولا یعلی علیہ یعنی حق ہمیشہ غالب آتا ہے اور اس پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالمگیر حقیقت کو دعوتِ اسلام کے پہلے روز ہی واضح کر دیا تھا۔ جب "لا الٰہ الا اللہ" کو پیش کیا تو اس کی وضاحت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

هی کلمۃ واحدۃ تعطونیها تملکون بها العرب وتدین لکم بها العجم

یعنی بظاہر تو یہ ایک کلمہ ہے۔ لیکن اس پہ ایمان و عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ تم عرب کے مالک ہو گے اور پورا عجم تمہارے زیر نگیں ہو گا۔

دعوت کے یہ الفاظ کسی سیاسی رشوت کے طور پر ادا نہیں ہو رہے تھے۔ اور نہ ہی نبوت کا یہ مقام ہے کہ کسی دنیوی لالچ کو دعوت کی بنیاد بنایا جائے بلکہ توحید کے اقرار اور غیر اللہ کی غلامی سے انکار کا بدیہی نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ اسلام دنیا کے ہر نظام اور باطل قوت پر غالب آتا ہے۔ چنانچہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے اس نتیجہ کو دیکھا اور تاریخ نے غلبہ اسلام اور مسلمانوں کے سیاسی اور روحانی کارناموں کو محفوظ کیا۔ لیکن افسوس کہ امت مسلمہ کی تاریخ کا یہ حصہ صلیبیوں اور صیہونیوں کو زیادہ یاد ہے۔ اور ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ امید افزا بات یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں مغرب کو سمجھنے کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اور اپنی بقا کے احساس نے انہیں غلبۂ اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہونے کا یقین پیدا کیا ہے۔

امت مسلمہ کے لیے سوچنے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ انھیں آگے بڑھنے کے لیے کیا کرنا ہے۔ اور موجودہ حالات کس قسم کی حکمت عملی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ماضی قریب میں ان حقائق کا جائزہ لیا جائے۔ جنھوں نے موجودہ حالات کو جنم دیا ہے۔ اور امت کو باہمی انتشار و خلفشار کا شکار کیا ہے۔

گذشتہ صدی کے نصف آخر میں عالم اسلام کے اندر استعماری نظام سے آزادی کے لیے کوششیں کی گئیں۔ لیکن اس دوران مغربی تسلط نے امت کی اکثریت کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ اس نے اسلامی اخلاق و معاشرت کو تباہ کیا۔ روحانی قدروں کو پامال کیا۔ مذہب و سیاست کی وہ تفریق جس کا مغرب خود قائل تھا مسلمانوں کے اندر اس کے بیج بوئے۔ مذہب سے آزادی کا نعرہ دے کر مسلمانوں کو اپنی غلامی پر آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی آزادی اور حکومتوں اور مملکتوں کے قیام کے باوجود مسلمانوں پر مغرب کا فکری تسلط قائم رہا اور اسلامی عقاید و افکار میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر سرخ سامراج نے اپنے منحوس سائے عالمِ اسلام پر ڈالنے شروع کر دیئے۔ روسی استعمار مسلمانوں میں فکری انتشار کو ہوا دے کر اور مادہ پرستانہ ذہن کو کام میں لا کر اپنے لیے فضا کو سازگار بنانا چاہتا ہے۔ اگرچہ مغرب بھی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے روس کی توسیع پسندی سے خائف ہے۔ لیکن اس کا اصل مجرم وہ خود ہے۔

فکری تنزل کے تجزیے کے بعد ہمارے سامنے سب سے اہم فریضہ امت مسلمہ کی صحیح سمت میں فکری راہنمائی ہے۔ امت کے استحکام کے لیے سیاسی آزادی کے تحفظ کے ساتھ ساتھ فکری طور پر ٹھوس اور مثبت نظام پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ افرادِ امت میں اعتماد کی قوت بحال ہو سکے۔ پھر کوئی حملہ ایمان کو متزلزل نہ کر سکے اور عقاید و افکار میں بگاڑ پیدا نہ کر سکے۔

گذشتہ صدی میں مسلمان مفکرین نے فکر، میدان کو خالی نہیں چھوڑا مستشرقین نے جتنے اعتراضات اٹھائے ۔ اسلام کے بہی خواہوں نے ان کا جواب دیا۔ لیکن اس دور کو عبوری دور کہا جاسکتا ہے۔ مغرب نے استعماری قوت سے اپنے فکر کو مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں پیوست کرنے کی بے انتہا کوشش کی اور وقت کی اہم ضرورت بنا کر اسے پیش کیا۔ مسلمان مفکرین نے مغرب کے پھیلائے ہوئے بگاڑ کو رفع کرنے کے لیے تنقید کے باوجود اس فکر کے اصول و مبادی کو کسی حد تک قائم رکھا اور اسے ہی اسلامی بنانے کی کوشش کی اسے عبوری دور کی مجبوری کہنا ہی قرین انصاف ہے اس طرح مقصود اگرچہ اسلام کا نظام تھا۔ لیکن رنگ غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے اس قدر پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور یہ کوششیں اس طرح ابہام کا شکار ہوئیں کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کو اس میں کوئی دلچسپی نہ رہی نتیجتاً وہ خالص مغربیت یا دہریت کو پسند کرنے لگے ۔

ریاست، جمہوریت اور اشتراکیت کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ یہ اصطلات اور ان کے اصول و مبادی سب کچھ مغرب کا حصہ ہے۔ لیکن بعض مسلمان مفکرین نے بزعم خود انہیں ISLAMISE کر لیا ہے۔ بنیادی خطوط کو قائم رکھتے ہوئے چند غیر اسلامی نکات نکال کر ان کے ساتھ اسلام کا لفظ چسپاں کر لیا ہے۔ اب یہ اصطلاحات اسلامی ریاست، اسلامی جمہوریت اور اسلامی اشتراکیت کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک مشہور عرب مصنف مصطفےٰ سباعی نے اشتراکیۃ الاسلام کتاب لکھ کر اسلام میں لفظ اشتراکیت کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ اور بیشتر عرب ملکوں نے اشتراکیت کو اسلامی مساوات کی ضمانت سمجھ کر رائج کر رکھا ہے اس طرح یونانی تصور ریاست اور مغربی طرز جمہوریت کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی کوششیں ہوئی ہیں۔ اور بہت سا لٹریچر اس سلسلے میں موجود ہے۔ کیا اسی فکر کا نتیجہ نہیں ہے کہ متعدد مسلمان ریاستوں نے دستوری بنیادوں پر اپنے آپ کو سیکولر قرار دے دیا ہے آخر اس فکر کی انتہا کیا ہو گی؟ ملت مسلمہ کو سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کرنا ہے ۔

پندرھویں صدی ہجری میں اگر فی الواقعہ ہم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تکمیل چاہتے ہیں۔ اور لیظہرہ علی الدین کلہ کا مظہر دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو پہلے قدم کے طور پر اپنی فکری منزل کا تعین ضروری ہے۔ عبوری دور سے بڑھ کر ایسی فکری منزل کو متعین کیا جائے جو بالکل واضح ہو اور خالص اسلامی ہو۔ یہ مثالی منزل ملت کا قیام اور اس میں امت کی تشکیل ہے ۔

اسلام نے ریاست کے بجائے ملت کا تصور دیا ہے۔ ملت کا لفظ اگرچہ عام مستعمل ہے لیکن اس کا مفہوم عام ذہنوں میں واضح نہیں ہے۔ حالانکہ ملت ایک مستقل نظام ہے۔ جس کی پیروی اور نفاذ کے لیے

قرآن پاک میں بار بار تاکید کی گئی ہے ۔ سورہ بقرہ میں ہے :

ترجمہ :۔۔ یہود و نصاریٰ نے کہا کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے ۔ اے پیغمبر آپ کہہ دیں کہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کریں گے وہ یکسو تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے ۔

چوتھے پارے کے شروع میں فرمایا :

ترجمہ :" اللہ نے سچ کہا کہ تم یکسو ہو کر ابراہیمی ملت کی پیروی کرو "

دنیا کے ہر نظام سے کٹ کر اور انھیں باطل قرار دے کر اقامت دین کے لیے جو نظام قائم کیا جاتا ہے ، اسے ملت کہتے ہیں ۔ ایک مستقل نظام کے طور پر اس کے خدوخال واضح کرنے کی ضرورت ہے ۔ آئندہ سطور میں انہی کی وضاحت پیش کی جاتی ہے ۔

ملت ، املل سے ہے ۔ جس کا معنی ہے لکھوانا قرآن نے اس مادے کو اس طرح استعمال کیا ہے "فَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ" ، یعنی لکھوائے وہ شخص جس پر حق ہے ۔ اس لحاظ سے ملت دراصل ایک نظام کے وہ خطوط ہیں جنہیں نبی اللہ کی راہنمائی میں کھینچتا ہے ۔ اور زندگی کی حدود متعین کرتا ہے ۔ امام راغب نے مفردات میں اس کی وضاحت یوں کی ہے ۔

الملة لا تضاف الا الی النبی ولا تکاد توجد مضافة

الی اللہ ولا الی احاد امة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی ملت کی نسبت صرف نبی کی طرف ہوتی ہے ۔ اس کی نسبت نہ اللہ کی طرف ہوتی ہے اور نہ امتی کی طرف ۔ خود مثال دے کر امام راغب کہتے ہیں ۔ لا تقال ملة اللہ ولا ملة زید

یعنی نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی ملت اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں ۔ کہ زید کی ملت ۔ مزید وضاحت ان الفاظ سے کی لا یقال الصلوٰۃ ملة یعنی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ نماز ملت ہے ۔ ان تمام وضاحتوں سے تین چیزیں کھل کر ہمارے سامنے آتی ہیں ۔ پہلی یہ کہ ملت کا نظام نبی اپنی عملی زندگی سے پیش کرتا ہے ۔ دوسری بات یہ کہ امت کے کسی فرد یا گروہ کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی کہ نبی کے کھینچے ہوئے خطوط سے علیٰحدہ کوئی نظام مرتب کرے اور تیسری بات یہ کہ ملت کسی ایک رکن یا فریضے کو ادا کرنے سے قائم نہیں ہوتی ۔ بلکہ نبی کی عملی زندگی سے عبارت پورا نظام ملت ہے ۔

ملت کے تصور کو سمجھنے میں جو غلط فہمی عام طور پر پیدا ہوئی اس کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں مستشرقین اور مقلدین مغرب نے ہمیشہ یہ تاثر دیا ہے۔ کہ نبی کو محض نظریے کے لیے وقف رکھا جائے۔ اور نظام وہ خود مرتب کریں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نظریہ اللہ دیتا ہے اور نظام نبی قائم کرتا ہے۔ قرآن نے اس طرف اشارہ کیا ہے :-

ترجمہ "ہم نے روشن دلائل دے کر پیغمبروں کو بھیجا۔ ان پر کتابیں

اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگوں میں نظامِ عدل قائم کرے۔" (الحدید)

یہ ایک تاریخی شہادت ہے کہ سارا فکری فساد ان گروہوں کا برپا کیا ہوا ہے جنہوں نے ملت کے تصور کو بگاڑا اور نبی کے مقام کو سمجھنے میں غلطی کی۔

عالم اسلام اس وقت ریاست (STATE) کے مغربی نظام کو اپنائے ہوئے ہے مختلف قومیتوں کا پیدا ہونا اور علاقائی عصبیتوں کا ابھرنا اس نظام کا لازمی نتیجہ ہے۔ مشرقی پاکستان کا المیہ ہو یا موجودہ ایران، عراق جنگ اور عالمِ اسلام کو درپیش متعدد تکلیف دہ مسائل انہی عصبیتوں کے پیدا کردہ ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کا یہی مشن ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ استعماری فکر پر مبنی ریاستی نظام کو بتدریج ختم کر کے مثالی فکری منزل "ملت کے قیام" کی طرف بڑھیں۔

ریاست کے عناصر ترکیبی چار ہیں۔

علاقہ۔ آبادی۔ حکومت۔ اقتدار اعلیٰ

مغربی نظریے کے مطابق ریاست محدود علاقے میں قائم ایک سیاسی تنظیم ہے اسلام دو بنیادوں پر اس تصور کا مخالف ہے۔ پہلی بات یہ کہ اسلام زندگی کے جملہ معاملات میں کسی الگ سیاسی تنظیم کا قائل نہیں۔ یہ تنظیم ان کی قائم کی ہوئی ہے۔ جنہوں نے مذہب کو چرچ کی چاردیواری میں بند کیا اور اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لیے ریاست کا وجود ضروری سمجھا جہاں مذہب کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ لیکن اسلام میں مذہب اور سیاست کی تقسیم کا کوئی وجود ہی نہیں بقول علامہ

؎ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ریاست کے تصور میں دوسری چیز اللہ کی زمین کی علاقائی تقسیم ہے جسے اسلام قبول نہیں کرتا۔ یہاں عقیدہ یہ دیا گیا ہے اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یعنی ساری زمین اللہ کی ہے اور انسان کو زمین پر خلافت کے قیام کے لیے بھیجا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظریے کو یوں پیش کیا ہے

چین و عرب ہمارا ، ہندوستاں ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

علامہ نے کوئی شاعرانہ تخیل پیش نہیں کیا تھا بلکہ یہ بات انھوں نے اپنے عقیدے کی بنیاد پر گہرے اسلامی شعور کے ساتھ کہی تھی ۔ قرآن نے مسلمان کو جو سیاسی ذہن دیا ہے ۔ علامہ نے اس کی ہی عکاسی کی تھی ۔ آج امت کے ہر فرد تک اس فکر کو پہنچانا انتہائی ضروری ہے تاکہ اپنی حیثیت کو جاننے اور اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے کا شعور ان میں پیدا ہو ۔ اور وہ اپنے مشن کو سمجھیں ۔

ریاست کے چار عناصر کے بالمقابل ملت کے عناصر الگ اپنا مفہوم رکھتے ہیں ۔ عناصر کی ترکیب بھی اپنی ہے ۔ علامہ نے اسی نقطے کو بیان فرمایا ہے ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ملت کے عناصر ترکیبی یہ ہو سکتے ہیں ۔

۱ ۔ حاکمیت ۔ ۲ ۔ نبوت ۔ ۳ ۔ خلافت ۔ ۴ ۔ امت ۔

ریاست کے تصور میں اقتدار اعلیٰ مختلف فیہ مسئلہ ہے ۔ لیکن ملت میں اقتدار اعلیٰ مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے ۔ بلکہ قرآن کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ طوعاً و کرہاً اللہ کے لیے مخصوص ہے ۔

ریاست

ریاست میں اقتدار اعلیٰ پیدا کیا جاتا ہے ۔ لیکن اسلام میں حکم کا تصور اس کے برعکس ہے ۔ یعنی اللہ کے حکم سے ہر چیز پیدا ہوئی اور تمام نظامِ کائنات چل رہا ہے ۔ جب آسمان و زمین لپیٹ لیے جائیں گے تب بھی اللہ کا حکم ہی چلے گا ۔

ریاست میں سارا جھگڑا اس بات پر ہوتا ہے ۔ کہ اقتدار کس کا ہے ؛ فرد واحد کا ہے ۔ یا ایک پارٹی کا یا ریاست کے سارے عوام اس کا حق رکھتے ہیں ۔ لیکن ملت کے قیام میں لحاظ اس بات کا ہے کہ اطاعت کس کی ہے اس اعتبار سے ملت میں اقتدار کے حصول کی جنگ نہیں بلکہ اطاعت میں آگے بڑھنے کا عقیدہ ہے ۔ اسلام نے انسان کو کائنات ارضی میں عبادت و اطاعت کا مکلف ٹھہرایا ہے ۔ اس لیے ملت کے تصور میں حقوق کی چھینا جھپٹی نہیں بلکہ فرائض کی بجا آوری کا احساس ہے ۔

ملت کے قیام کا اصل مقصد یہ ہے انسان اپنی زندگی میں صرف اللہ کا حکم چلائیں اور زمین پر اللہ کی الوہیت عملاً اسی طرح قائم ہو جائے جس طرح آسمان پر عملاً قائم ہے۔ اور اللہ کا یہ ارشاد پورا ہو جائے۔

اللہ ہی ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے۔ (القرآن)

ملت کا دوسرا بنیادی نقطہ نبوت ہے :-

ملت کی تعریف میں نبوت کے مقام کی وضاحت تفصیل سے کر دی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا ہے۔ کہ اللہ اپنے احکامات یعنی شریعت کو نبی پر نازل کرتا ہے۔ اور نبی اس کی اطاعت کے مکمل نظام کو پیش کرتا ہے۔ اس لیے نبی کی اطاعت کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن نبی کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے۔

نبی کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اقامت دین ہے۔ قرآن پاک نے اسی مقصد کی نشاندہی کی ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی
الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا

اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر اس لیے بھیجا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کر دے۔ اسلام کی سچائی کے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے۔

نبی اقامت دین کے لیے اپنے عمل سے ایک طریق کار متعین کرتا ہے۔ یہ طریق کار ہی ملت کے قیام کا ضامن ہو سکتا ہے۔ قرآن نے اسے واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" تمہارے لیے اللہ کا رسول بہترین نمونہ ہیں

ملت کے تصور میں تیسری چیز خلافت ہے :-

دنیا میں اللہ کی اطاعت کو عملاً قائم کر دینا خلافت ہے۔ اللہ نے قرآن میں "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" کہہ کر ہر انسان کو اس کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ "تم میں ہر شخص نگران ہے اور ہر کسی سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہو گی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے عام معاشرتی زندگی کو دیکھا جائے جس میں کوئی شخص اپنے گھر کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے۔ اور کسی کی اپنی برادری اور خاندان میں چلتی ہے اور کچھ نہیں تو کم از کم ہر شخص کو اپنے اعضاء وجوارح پر تو اللہ نے کنٹرول دیا ہے۔ اللہ کے دیئے ہوئے تمام اختیارات کو اگر انسان اللہ کی

اطاعت کروانے کے لیے استعمال کرے اور اپنی نہ چلائے تو یہ خلافت ہے۔ اسی کا انسان مکلف ہے اور اسی کا حساب لیا جائے گا۔

نبی تمام انسانوں سے اللہ کی اطاعت کروانے کے لیے آتا ہے۔ قرآن میں ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ نتیجۃً وہ امکانی حد تک دنیا میں خلافت کو قائم کرتا ہے۔ اللہ نے کہا یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الٰہ الا اللّٰہ میں مامور ہوں اس کام پر کہ جہاد کرتا رہوں حتی کہ تمام انسان اللہ کا حکم تسلیم کر لیں۔

نبی کے بعد امت کا یہ فرض ہے کہ خلافت قائم کرے اور یہ خلافت نبی کے قائم مقام ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"الخلافۃ ھی الریاسۃ العامۃ للتصدی لاقامۃ الدین باحیاء العلوم الدینیۃ واقامۃ ارکان الاسلام والقیام بالجہاد وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والقیام بالقضاء واقامۃ الحدود ودفع المظالم والامر بالمعروف والنہی عن المنکر نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

(خلافت عامہ) وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین کے لیے بالفعل بحیثیت نیابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امور کے ذریعے وجود میں آئے۔ علوم دینیہ کا زندہ کرنا۔ ارکان اسلام کا قائم کرنا۔ جہاد کو جاری کرنا اور اس کے لیے لشکروں کو تیار کرنا۔ قضا اور حدود کا نظام قائم کرنا۔ دنیا سے ظلم کو ختم کرنا۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔

شاہ صاحب نے خلافت کے معارف اور مقاصد کو واضح الفاظ میں پیش کیا۔ اس سے دنیا کے نظام ہائے حکومت وریاست سے ممتاز ایک شکل ہمارے سامنے آتی ہے۔

بعض لوگوں کو خلافت کے بارے میں یہ شبہ ہے کہ خلافت آمریت کی شکل ہے اور بعض نے اس سے جمہوریت کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں دونوں قسم کی شہادت کا ازالہ ضروری ہے۔

خلافت اس عقیدے پر مبنی ہے کہ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ جب مخلوق ساری اللہ کی ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہیئے قرآن نے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کا اعلان کر کے ایک قطعی بات کہہ دی ہے۔ یعنی مخلوق پر اس کے خالق کے سوا کسی کا حکم چل ہی نہیں سکتا۔ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو زمین پر اللہ کا حکم چلائے۔

اپنا حکم نہ چلائے۔ اور جو اپنا حکم چلاتا ہے خواہ وہ عوام کا منتخب کردہ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اللہ کا باغی ہے۔ روئے زمین پر جو اپنا حکم چلاتا ہے وہ فرد واحد ہو یا جماعت سب اللہ کے باغی ہیں۔ اس طرح اسلام میں نہ آمریت کا تصور ہے اور نہ جمہوریت کا کیونکہ دونوں اپنی اپنی حاکمیت کے قائل ہیں۔ آمریت میں ایک شخص اپنا حکم چلاتا ہے اور من مانی کرتا ہے اور جمہوریت میں اکثریت اپنا حکم چلاتی ہے اور من مانی کرتی ہے حقیقت میں دونوں اللہ کے باغی ہیں۔ کیونکہ خدا کے ملک میں اس کی حکومت میں اپنا حکم چلاتے ہیں۔ اسلام نے مخلوق پر مخلوق کی حکومت کے تصور کو باطل قرار دیا ہے۔ حکومت کا حق صرف مخلوق کے خالق مالک اور رازق کو ہی ہو سکتا ہے اور کسی کو نہیں ـــ

ملت میں چوتھی چیز امت کی تشکیل ہے:

امت ام ایک مادہ سے ہے یعنی ایک امام کے پیچھے جمع ہونے والے لوگ۔ امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور قیامت تک پیدا ہونے والے لوگ حضور کی امت میں . . . امت کی دو قسمیں ہیں۔ امت دعوت اور امت اجابت۔ نبی جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوتا ہے وہ سب امتِ دعوت کے ضمن میں آتے ہیں۔ اور جو آگے بڑھ کر دعوت کو تسلیم کر لیں وہ امت اجابت کہلاتے ہیں۔

امت کا کام نبی کے خطوط پر خلافت کا قیام ہے۔ امت کے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا میں کفر و شرک اور الحاد و دہریت کا خاتمہ ہو جائے اور شر پر خیر کو غلبہ حاصل ہو۔ قرآن نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ" (تم بہترین امت ہو۔ اس امت کو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں تمام امتیازات ختم کر کے انسانوں کی جمعیت قائم کی اور فرمایا ان ربکم واحد وان اباکم واحد . . . تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پہ کوئی فضیلت نہیں۔ مزید فرمایا: فلیبلغ الشاهد الغائب دنیا کے ہر ہر مقام اور وقت میں دین کی دعوت پہنچانا تمہارا فرض ہے جو کام میں کرنے آیا تھا وہ تمہیں سونپ رہا ہوں۔

اس لحاظ سے مختلف عصبیتوں اور قومیتوں کے برعکس انسانوں کی مرکزیت قائم کر کے انہیں اللہ کے

حکم کا پابند بنا دیا جائے تو امت تشکیل پاتی ہے۔ اور اللہ کا حکم پورا ہوتا ہے۔

"اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ"

بیشک تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ اسی سے ابراہیم علیہ السلام کی دعا پوری ہوتی ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (اے اللہ میری اولاد سے اپنی فرمانبردار امت پیدا کر دے۔

امت کا مشن ملت کا قیام اور اس میں خلافت کا احیا ہے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسائل کا یہی حل ہے۔

اس مقالے میں مسلمانوں کی فکری منزل کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لیے مثبت نظام کے چند اشارات پیش کیے گئے ہیں۔ امت مسلمہ کو اپنی تاریخ کا سب سے اہم سبق ہرگز نہیں بھولنا چاہیے۔ کہ خلافت سے ہی مسلمان بام عروج پر پہنچے اور اس سے گر کر پارہ پارہ ہوئے۔ جب تک مسلمانوں میں ملت کے قیام کا صحیح شعور پیدا نہیں ہو گا ان میں مرکزیت پیدا نہیں ہو گی۔ اتحاد کے لیے کوئی مضبوط اساس اس کے سوا نہیں ہو سکتی۔ تیسری سربراہی کانفرنس کا ملت کے مرکز بیت اللہ میں افتتاح اور اعلان مکہ سے مسلمانوں میں اجتماعی شعور کی نشاندہی تو ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ کنفڈریشن اور علاقائی سلامتی کے مختلف منصوبوں کی بجائے ملت کے قیام اور خلافت کے احیا پر توجہ مرکوز کر دی جائے۔ انتہائی نازک حالات کسی معمولی کوتاہی کی اجازت نہیں دیتے۔ وقت تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمیں اس سے زیادہ تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھنا چاہیے۔

مسلمان ایک عرصے سے محض وقتی اور ہنگامی مصلحتوں کی بنا پر مختلف منصوبوں پر عمل پیرا ہیں لیکن انتہائی جانفشانی کے بعد بھی وہ نتائج مرتب نہیں ہو رہے جس کی خواہش امت کا ہر فرد اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم سے وہ شاہراہ گم ہو گئی جسے صراط مستقیم کا نام دیا گیا ہے۔

اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ فکری طور پر مسلمانوں کو مضبوط کیا جائے۔ مغربیت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ مغربی فکر نے عامۃ المسلمین کو شکوک و شبہات کا شکار کر رکھا ہے۔

یہ مغربیت کا اثر ہے۔ کہ ایک طرف ہم کہتے ہیں۔ کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام مکمل نظام حیات

ہے ۔ دوسری طرف ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی اپنا سیاسی یا معاشرتی نظام نہیں ۔ اس لیے جمہوریت اور سوشلزم کو ہی اسلامی بنا لینا چاہیئے ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا اپنا کوئی سیاسی یا معاشی نظام نہ ہو۔

دوسری بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ دین ہمارا اسلام رہے ۔ سیاست اور معیشت ہم مغربی اپنا لیں ۔ حالانکہ معاشرت ، معیشت اور سیاست زندگی کے تینوں شعبے باہم ایسے مربوط ہیں کہ کسی ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نظامِ سیاست مغربی ہو اور معاشرت اور معیشت اسلامی رہ جائے ۔ ان تینوں نظاموں میں ایسا ربط باہمی ہے کہ جب ایک بدلتا ہے تو دوسرا لازماً بدل جاتا ہے ۔ تینوں مل کر کسی نظامِ حیات کو ایک اکائی بناتے ہیں ۔ مغربی نظامِ سیاست سے ہی مسلمانوں کی معاشرت و معیشت سب مغربی طرز کی ہیں ۔ اور جب کسی قوم کے یہ تینوں نظام مغربی ہو جائیں ۔ تو اس کا نظامِ حیات کیسے اسلامی رہ سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اور عملی طور پر مسلمان اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں ۔ جب تک ہم اپنے نظامِ سیاست کو نہیں بدلیں گے ۔ ہماری معاشرت اور معیشت مغربی ہی رہیں گی ۔ کیونکہ نظامِ سیاست ہی وہ نظام ہے جو معاشرت اور معیشت کو کنٹرول کرتا ہے اس لیے مسلمانوں کا سیاسی طور پر مسلمان ہونا ضروری ہے ۔

قارئین محدث سے

کچھ عرصہ سے محدث ناگزیر وجوہ کی بنا پر مختلف ضخامتوں میں آ رہا ہے ۔ اور بسا اوقات کسی ایک ہی طویل یا مختصر مقالے کی صورت میں شائع ہوتا ہے ۔ اگر مطبوعہ مقالہ قارئین کے لیے نیا ہو یا اہم کتاب کی صورت میں محفوظ رکھنا ضروری ہو تو ہم ضرور حوالہ ڈاک کرتے ہیں جس سے ان احباب کا حساب بھی پورا ہو جاتا ہے جو زرِ سالانہ بھیج چکے ہیں ۔ مثلاً محدث کا خلافت و جمہوریت نمبر صفحات ۲۳۲ ، جو اگرچہ کتاب کی صورت میں کافی قیمتی ہے لیکن ہم نے اپنے مستقل قارئین کو ۵ا روپے میں شمار کیا ہے ۔ اس طرح اگر کسی صاحب کا کچھ حساب مزید ہماری طرف ہو تو ہمیں لکھیں ۔ ہم دوسری مطبوعات سے اس کی تلافی کر دیں گے تاکہ عنداللہ معاملہ صاف رہے ۔ امید ہے کہ احباب ہمارے ساتھ تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے ۔

(مدیر)

حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر گارڈن ٹاؤن سے شائع کیا ۔